بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

انسانی حقوق اور اسلامی ریاست

(۲)

سید جلال الدین عمری

قانون کی برتری

اسلام نے عدل و انصاف پر مبنی قانون ہی نہیں دیا بلکہ اس کی برتری بھی قائم کی۔ اس کے نزدیک قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اس میں چھوٹے اور بڑے، امیر اور غریب کا فرق نہیں ہے۔ ہر ایک کا فرض ہے کہ اس کے سامنے سر جھکا دے ورنہ یہ نفاق اور ایمان کی کمزوری کی دلیل ہوگی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ	یہ کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت
إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ أَمْرًا	کا طریقہ نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس
أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ	کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو پھر انھیں اپنے
مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ	معاملہ میں اختیار باقی رہے۔ جو اللہ اور اس
اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ	کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی
ضَلٰلًا مُّبِينًا ۝ (احزاب: ۳۶)	میں پڑ گیا۔

منافقین کے رویہ پر تنقید کرتے ہوئے اس نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے قبول کرنے میں انھیں تامل اور تردد ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں ان کا خسارہ ہے، لیکن صحیح اور سچے اہل ایمان کا رویہ دوسرا ہوتا ہے۔ وہ سراپا سمع وطاعت بن جاتے ہیں اور اسے دل سے قبول کرتے ہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ	اہل ایمان کی بات یہ ہوتی ہے جب
اِذَا دُعُوْآ اِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ	ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا	بلایا جائے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ	کریں تو بس وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ يُّطِعِ	اطاعت کی یہی فلاح پانے والے ہیں۔
اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللهَ	جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت
وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○	کرے، اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ
(نور: ۵۱-۵۲)	اختیار کرے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

قانون کی برتری کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک مرتبہ قبیلۂ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو اس قبیلہ کے لوگوں نے حضرت اسامہؓ سے درخواست کی کہ وہ آپؐ سے سفارش کریں کہ اسے قطع ید کی سزا نہ دی جائے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ پر جو آپ کو اولاد کی طرح عزیز تھے ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا:۔

أتشفع في حد من	کیا تم اللہ کی حدوں میں سے ایک
حدود الله	حد کے سلسلہ میں سفارش کر رہے ہو۔

اس کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا۔ اس میں ارشاد فرمایا:۔

إنما أهلك الذين	تم سے پہلے کے لوگوں کو جس چیز
قبلكم انهم كانوا إذا	نے تباہ کیا وہ یہی تھی کہ جب ان میں
سرق فيهم الشريف تركوه	سے کوئی شریف اور معزز فرد چوری
وإذا سرق فيهم الضعيف	دیا اور کسی جرم کا ارتکاب کرتا تو اسے
أقاموا عليه الحد	چھوڑ دیتے لیکن اگر کوئی کم زور چوری
	کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد آپؐ نے قانون کی برتری کے سلسلہ میں وہ الفاظ ادا فرمائے جو پیغمبر ہی کی زبان سے ادا ہو سکتے تھے۔ فرمایا:۔

وأيم الله، لو ان فاطمة	خدا کی قسم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی

بنت محمد سرقت لقطعت یدھا[1] فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ قطع کردیتا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔

من حالت شفاعته دون حد من حدود الله فقد ضاد الله[2] جس کسی کی سفارش اللہ تعالیٰ کے حدود میں سے کسی حد کے نفاذ میں حائل ہوجائے اس نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی۔

ریاست حقوق کی نگراں ہے

سماج میں کسی کا کسی حیثیت سے با اختیار ہونا اسلام کے نزدیک اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ کرتا ہے۔ جس شخص کو جس حد تک بھی اقتدار حاصل ہے وہ اپنے ماتحت افراد کے حقوق کا محافظ و نگراں ہے۔ اس پہلو سے سربراہِ مملکت کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا کلکم راع، وکلکم مسئول عن رعیته فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیته و الرجل راع علی أھل بیته وھو مسئول عن رعیّته، والمرأة راعیة علی بیت زوجھا وولدہ وھی مسئولة عنھم وعبد الرجل راع علی مال سیّدہ وھو مسئول عنه

سن لو! تم میں سے ہر ایک راعی اور نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ وہ شخص جو لوگوں کا امام ہے وہ راعی اور نگراں ہے۔ اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا نگراں ہے۔ اس سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا۔ آدمی کا غلام (خادم) اپنے سردار کے مال

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب الحدود، باب الشفاعۃ فی الحدود۔ بحوالہ بخاری و مسلم

[2] مشکوٰۃ، کتاب الحدود، باب الشفاعۃ فی الحدود۔ بحوالہ احمد و ابوداؤد

ألا فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته [1]

کا نگراں ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ ہاں! سن رکھو تم سب نگراں ہو اور تم میں سے ہر ایک سے اپنی اپنی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

جرم عدالت سے ثابت ہوگا

قانون کے سلسلہ میں اسلام نے یہ اصول بیان کیا کہ ہر شخص کو بے گناہ سمجھا جائے اور اسے اسی وقت مجرم گردانا جائے جب کہ عدالت سے اس کا جرم ثابت ہوجائے۔ اس کے لیے اس نے شہادت اور گواہی کا ایک پورا تفصیلی ضابطہ مقرر کیا ہے۔ بے ثبوت کسی کو مجرم قرار دینا یا کسی کی عزت و آبرو سے کھیلنا، اس کے نزدیک قابلِ تعزیر جرم ہے۔ اسی ذیل میں اس نے افواہوں کو پھیلانے اور ظن و تخمین سے کام لینے سے بھی منع کیا ہے۔

اخلاق اور قانون کا رشتہ

انسان کے اندر اخلاقی حس موجود ہے۔ اعلیٰ اخلاق سے محبت اور پست اخلاق سے نفرت اس کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی وجہ سے چاہے ہزار اخلاقی خرابیاں اس کے اندر موجود ہوں وہ مکارم اخلاق کو پسند اور رذائل اخلاق کو ناپسند کرتا ہے۔ اس کی یہ اخلاقی حس بیدار اور طاقتور ہوجائے تو وہ تہذیب و شرافت کا نمونہ بن جائے اور کسی کو کسی سے شکایت نہ ہو۔ اسلام انسان کے اس جذبہ کو زندگی و توانائی عطا کرتا ہے۔ اس نے انسان کے حقوق کی سادہ سی فہرست نہیں فراہم کر دی ہے بلکہ اخلاق سے ان کا رشتہ جوڑ دیا ہے۔ بہت سے قانونی حقوق کو وہ انسان کی اخلاقی خوبیوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے، ان کی پابندی کی ترغیب دیتا ہے، ان کا اجر و ثواب بیان کرتا اور ان کی خلاف ورزی پر سخت وعید سناتا ہے۔ اس نے ان حقوق کے سلسلہ

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب الامارۃ والقضاء بحوالہ بخاری و مسلم

میں فرد کے ضمیر کو بیدار کیا اور سماج کے اندر اس کے حق میں فضا بنائی ہے۔ قتل نفس، قتلِ اولاد، سرقہ، بدکاری، دشنام طرازی، افترا و تہمت، حق تلفی اور ظلم و زیادتی جیسی خرابیوں کو وہ فسق و فجور اور کبائر میں شمار کرتا ہے اور اس پر سخت وعید سناتا ہے۔ ان کے بالمقابل جن پہلوؤں سے بھی آدمیت کا احترام ہو ان کی وہ تحسین کرتا اور ان کے اجر و ثواب کا ذکر کرتا ہے۔ اس طرح حقوق انسانی کی اس کے نزدیک محض قانونی حیثیت ہی نہیں ہے بلکہ انسان کے اعلیٰ اخلاقی کردار کی بھی ہے۔

خدا کے سامنے جواب دہی کا احساس

اسلام نے ایک طرف تو انسانی حقوق کو قانونی اور اخلاقی تحفظ فراہم کیا اور دوسری طرف اس کے احترام کا جذبہ بیدار کیا۔ اس کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قانون ہے اور اس کے بتائے ہوئے احکام ہیں۔ اس کے قائم کردہ حدود سے ان کا تعلق ہے۔ ان کی پابندی ہر حال میں لازمی ہے۔ اس سے انسان کل قیامت کے روز اللہ کے انعام و اکرام کا مستحق ٹھہرے گا اور ان کی خلاف ورزی پر خدا کے سامنے اسے جواب دہ ہونا پڑے گا اور وہ وہاں کے ہولناک عذاب سے دوچار ہوگا۔ اللہ کے نیک بندوں کی ایک خوبی اَلْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (التوبہ: ۱۱۲) ہے۔ یعنی وہ اللہ کے قائم کردہ حدود کی نگہداشت کرتے ہیں کہ ان سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ اسے بعض مثالوں سے واضح کیا جا سکتا ہے۔

وراثت میں قرابت داروں کے حقوق بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ	یہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود ہیں
يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ	جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	کرے تو اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا	کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی
وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝	اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول
وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ	کی نافرمانی کرے اور اس کے حدود سے

نَارًا خٰلِدًا فِیْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ○ (نساء: ۱۴-۱۳)

تجاوز کرے تو اسے نارِ جہنم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔

قرآن مجید نے ان حقوق کی پابندی کو قیامت کے عقیدہ سے جوڑ دیا ہے۔ یہ عقیدہ ان حقوق کی پامالی سے انسان کو باز رکھتا اور اسے ان کے احترام پر مجبور کرتا ہے قتلِ ناحق قانونی جرم ہی نہیں کبیرہ گناہ بھی ہے ایک جگہ کہا کہ اہل ایمان شرک، قتلِ نفس اور عصمت دری کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اس کے بعد فرمایا۔

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ○ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ○ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ○ (فرقان: ۷۰-۶۸)

جو ان کا ارتکاب کرے وہ گناہ (کی سزا) پائے گا قیامت کے روز اسے دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ اس میں ذلیل وخوار ہو کر ہمیشہ پڑا رہے گا۔ ہاں! جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل صالح کیا تو ایسے لوگوں کی غلطیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور تک کر دیا جاتا تھا۔ اس گھناؤنے جرم پر قرآن نے ان الفاظ میں تنقید کی۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ○ (تکویر: ۹-۸)

جب زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ کس گناہ میں وہ ماری گئی۔

یتیم کے مال پر ناجائز قبضہ کی ممانعت کے بعد ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ○ (نساء: ۱۰)

جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور جلد ہی جہنم میں داخل ہوں گے۔

ایک جگہ امانتوں کی ادائیگی کا حکم ہے۔ اس میں مالی امانتیں بھی شامل ہیں اور عہدہ ومنصب کی امانتیں بھی۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا	بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں
الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا	کو اصحاب امانت تک پہونچادو اور جب
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا	لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف
بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ	کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقیناً اللہ تمہیں اچھی
بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝	نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ سننے والا
(نساء: ۵۸)	اور دیکھنے والا ہے۔

قیامت کے حساب کتاب اور آخرت کی جواب دہی کا احساس ابھر آئے تو انسانی حقوق کی خلاف ورزی شاید نہ ہو اس احساس کا فقدان ہی ادائے حقوق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

کم زور افراد اور طبقات کے حقوق کی حفاظت

دنیا میں ہمیشہ کم زور افراد اور طبقات کے حقوق سلب ہوتے رہے ہیں۔ انھوں نے ظلم و زیادتی کے نرغے میں زندگی گزاری ہے اور بنیادی حقوق تک سے انھیں محروم رکھا گیا ہے۔ سماج کے کم زور افراد اور طبقات پر جو مظالم ہو رہے تھے اسلام نے شروع ہی سے ان کے خلاف پرزور آواز اٹھائی، ان کے حقوق کا علم بلند کیا اور ان کے محافظ کی حیثیت سے سامنے آیا۔ زور آوروں کے ظلم کی چکی میں نادار، یتیم، مسکین اور معذور پس رہے تھے، قرآن نے وقت کے جابروں اور ظالموں کو سخت تنقید کا ہدف بنایا اور ان کے ظلم پر آخرت کی وعید سنائی۔ اس کے ساتھ ان کم زور اور محروم افراد کے قانونی حقوق واضح کیے اور افلاس و غربت کی وجہ سے سماج میں جن کا درجہ کم تر سمجھا جاتا تھا انھیں مساوی اور برابر کا درجہ عطا کیا۔

قرآن مجید جس ماحول میں نازل ہوا اس میں نادار اور مفلس افراد کے ساتھ بعض طبقات بھی جور و ستم کا ہدف بنے ہوئے تھے۔ ان میں غلاموں اور خواتین کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اسلام نے غلامی کو بالکل ختم کر دیا یا اسے سیاسی حالات پر چھوڑ دیا، اس بحث سے قطع نظر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نے انھیں آزاد کرنے کی ترغیب دی بعض حالات میں ضروری قرار دیا کہ وہ بند غلامی سے آزاد کیے جائیں۔ اس کے باوجود اگر غلام ہو تو اس کے

ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، اس پر ناقابل برداشت بوجھ ڈالنے سے منع کیا، اس کے حقوق متعین کیے اور اس کی ذمہ داریوں کی وضاحت کی۔

خواتین کے ساتھ عرب کی سوسائٹی میں بدترین سلوک کیا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو باعثِ ننگ سمجھا جاتا، بعض اوقات انھیں زندہ درگور کر دیا جاتا، ان کی موت کو ان کی حیات سے بہتر تصور کیا جاتا، ان کے مالی حقوق نہ تھے، وراثت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ وہ زندہ بھی ہوتیں تو بوجھ سمجھی جاتیں، بوجھ ہی سمجھ کر ان کی پرورش ہوتی تھی۔ اس صورتِ حال کے خلاف اسلام نے آواز اٹھائی، سماج میں انھیں برابر کا مقام دیا اور ان کے خلاف ہر طرح کی دست درازی کو جرم قرار دیا۔ جائداد میں ان کا حق مقرر کیا، ازدواجی زندگی میں عورت و مرد کے حقوق و فرائض متعین کیے، معاشرہ میں انھیں اپنا رول ادا کرنے کے مواقع فراہم کیے۔ عورت کو مرد کا ضمیمہ قرار نہیں دیا بلکہ اس کی انفرادیت تسلیم کی اور کہا کہ دونوں خدا کے بندے ہیں اور اس کے سامنے جواب دہ ہیں، ان میں سے جو حسنِ عمل کا توشہ لے کر اس کے حضور پہونچے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو اس سے خالی ہوگا وہ ناکام و نامراد ہوگا۔

اسلام کی ان اصولی اور بنیادی تعلیمات کی روشنی میں حقوق انسانی کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر بآسانی سمجھا جا سکتا ہے، لیکن اسلام نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان حقوق کی وضاحت کے ساتھ تعیین بھی کر دی ہے۔ بعض حقوق کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

فکر و عمل کی آزادی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و خرد عطا کی ہے۔ اسلام نے انسان کا ایک امتیازی وصف یہ قرار دیا ہے کہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ انسانیت کی نشو و نما اور ترقی چاہتا ہے اور اسے دبانے اور کچلنے کی ہر کوشش کے خلاف ہے۔ اس نے انسان کو اوہام و خرافات سے نکالا اور غور و فکر اور تدبر و تفکر پر ابھارا ہے اور اس کی مختلف پہلوؤں سے ترغیب دی ہے۔ اس کے نزدیک کسی معاملے میں غیر عقلی رویہ اختیار کرنا اور بے دلیل کسی بات پر اصرار کرنا انسانی عظمت کے منافی ہے۔ اس نے تقلید اعمیٰ اور بے سوچے سمجھے آباؤ اجداد کے طریقوں کی پابندی اور روایت پرستی پر سخت تنقید کی ہے۔ وہ ہر بات کو

دلائل سے سمجھنے کا رجحان پیدا کرتا ہے۔ اسے اپنے مخالفین سے شکایت ہے کہ وہ فہم و دانش سے کام نہیں لیتے اور اس کے دلائل پر غور نہیں کرتے :

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝

(اعراف : ۱۷۹)

ہم نے جن و انس میں سے بہت سوں کو جہنم کے لیے پیدا کیا ہے ان کے دل ہیں لیکن وہ ان سے سوچتے سمجھتے نہیں ہیں، آن کے آنکھیں ہیں لیکن ان سے وہ دیکھتے نہیں ہیں، ان کے کان ہیں لیکن وہ ان سے سنتے نہیں ہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اسلام نے غور و فکر پر زور دینے کے ساتھ انسانی عقل کی محدودیت بھی واضح کی ہے اور غور و فکر کے لیے صحیح بنیادیں فراہم کی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ عقل کا اس طرح استعمال ہو کہ آدمی راہِ ہدایت پا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں پیدا کیا ہے بلکہ حرکت و عمل کی آزادی دی ہے، وہ اپنی آزاد مرضی سے کوئی بھی قدم اٹھا سکتا ہے لیکن اس آزادی کا بے قید استعمال تباہ کن ہے اس لیے اس پر کسی نہ کسی نوع کی پابندی ضروری ہے۔ اسلام نے انسان کو آزادیٔ عمل کا حق دیا ہے لیکن وہ اسے کسی ایسے اقدام کی اجازت نہیں دیتا جو معاشرے کے لیے ضرر رساں اور فساد فی الارض کا موجب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جو اس دنیا میں آتے رہے ہیں، ان کا ایک خاص ہدف یہ بھی رہا ہے کہ اللہ کی زمین سے فساد اور بگاڑ کا خاتمہ ہو اور نوعِ انسانی کو امن و سکون کی زندگی میسر آئے۔ اسلام ہر اس اقدام سے منع کرتا ہے جو معاشرہ کو بگاڑ کی طرف لے جائے اور بالآخر اسے تباہی سے ہم کنار کر دے۔

اظہارِ خیال کی آزادی

انسان کا یہ فطری حق ہے کہ اس کی زبان بندی نہ ہو، اسے اپنے خیالات کے اظہار کی اجازت ہو اور وہ حسبِ موقع دوسروں کے سامنے انھیں پیش کر سکے۔ اس سے خود اسے بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور یہ معاشرے کے لیے بھی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اسلام انسان کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے لیکن دنیا کا کوئی حق مطلق یا بے قید نہیں ہوتا۔ اسلام نے بھی اسے بعض حدود کا پابند بنایا ہے۔ ان میں سے بعض نمایاں حدود یہ ہیں :-

۱۔ اظہارِ خیال میں آدمی اخلاقی حدود کا پابند ہو، دوسروں کی عزتِ نفس کا احترام کرے اسے رسوا اور بدنام کرنے اور اس کی عزت و آبرو سے کھیلنے کی کوشش نہ کرے۔ کذب بیانی، افترا پردازی طنز و تعریض، دشنام طرازی، بدزبانی اور بدگوئی جیسی اخلاقی خرابیوں سے اجتناب کرے۔

۲۔ دین و مذہب کی حقانیت اور صداقت پر سنجیدہ گفتگو ہو سکتی ہے اس پر مباحثے اور تبادلۂ خیال کی بھی اجازت ہوگی۔ قرآن مجید نے اس معاملے میں 'جدالِ حسن' کی طرح ڈالی ہے۔ ارشاد ہے :-

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (النحل: ۱۲۵) ان سے بہتر طریقے سے مجادلہ کرو۔

'جدالِ حسن' یہ ہے کہ دلائل کے ذریعہ بات ہو اور اپنے موقف کی صداقت کو ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ مذہب پر گفتگو کے عنوان سے تعصّب اور نفرت کی فضا پیدا کرنا اور جنگ و جدال کا بازار گرم کرنا ممنوع ہے۔ اس حسّاس مسئلے میں اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہدایت کی ہے کہ گفتگو اس ڈھنگ سے ہو کہ کسی کے مذہبی جذبات کو صدمہ نہ پہنچے ورنہ اس کا ردِ عمل ہوگا اور بات اس حد تک بڑھے گی کہ خدا کی شان ہی میں گستاخی ہونے لگے گی۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ	تم لوگ برا بھلا نہ کہو ان معبودوں کو
مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا	جنھیں یہ خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہیں کہ وہ
اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ	دشمنی میں بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الانعام: ۱۰۸)

کہنے لگیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر قوم کو ان کے عمل آراستہ کر دیئے ہیں پھر انھیں ان کے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ پس وہ انھیں بتا دے گا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔

یہ ہدایت بھی ہے کہ مجلس میں افہام و تفہیم کی جگہ مخاطب کی طرف سے بات کو الجھانے اور اسے غلط رُخ دینے کی کوشش ہونے لگے تو مجلس چھوڑ دی جائے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (الانعام: ۶۸)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں الجھے چلے جا رہے ہیں تو ان سے رخ پھیر لو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں۔ اگر شیطان تمہیں اس سے بھول میں ڈال دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔

مذہب پر اظہار خیال کا اس سے زیادہ معقول اور مہذب طریقے کا تصور بھی مشکل ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ اظہار خیال کے نام پر بے حیائی اور بدکاری کے نشر و اشاعت کی اجازت نہ ہوگی جو سوسائٹی اخلاق اور تہذیب و شرافت کی علم بردار ہو وہ کسی حال میں اخلاق باختگی کی تعلیم و تبلیغ کے لیے جواز نہیں فراہم کر سکتی۔ اس طرح کی ہر کوشش کو وہ سختی سے روک دے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (نور: ۱۹)

بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان کے درمیان بدکاری کا چرچا ہو تو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

۴۔ ریاست میں بے چینی اور اضطراب پیدا کرنے، بدامنی پھیلانے اور ملکی مفاد کو

خطرے میں ڈالنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس طرح کے معاملات میں صحیح رویہ کیا ہونا چاہیے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ	جب ان کے پاس امن یا خوف
الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا	کی کوئی بات پہونچتی ہے تو اسے پھیلا
بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ	دیتے ہیں۔ اگر اسے وہ لوٹا دیتے رسول کی
وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ	طرف اور اپنے اولوالامر کی طرف تو حقیقت
الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ	حال سے باخبر ہوتے وہ جو ان میں
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ	تحقیق کرتے ہیں۔ اگر تم پر اللہ کا فضل
لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ	اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان
(النساء: ۸۳)	کے پیچھے چل پڑتے سوائے چند ایک کے۔

منافقین اور یہود اسلامی ریاست کے خلاف ہر وقت سرگرم رہتے تھے۔ ان کا ایک خاص مشغلہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے درمیان غلط افواہیں پھیلائیں اور حالت جنگ میں ان کی ناکامی کی پیش گوئی کرتے رہیں اور کسی وقتی اور ہنگامی نقصان کا اس طرح چرچا کریں جیسے اس کی تلافی ممکن نہیں ہے تاکہ مسلمانوں کی ہمت پست ہو اور وہ اپنا عزم و حوصلہ کھو بیٹھیں۔ اس کا تعلق ریاست کی سلامتی سے تھا اس لیے ان کے خلاف سخت قدم اٹھانے کی ہدایت کی گئی۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ	اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے
وَالَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ	دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی
وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِى الْمَدِيْنَةِ	خبریں پھیلانے والے (اپنی حرکتوں
لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا	سے) باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان
يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ	پر مسلط کر دیں گے اور پھر وہ مدینہ میں
مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا	آپ کے قریب چند دن سے زیادہ
اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝	نہیں ٹھہر سکیں گے۔ لعنت ہے ان پر۔
سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ	وہ جہاں کہیں پائے جائیں پکڑے جائیں
خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ	اور بری طرح مارے جائیں یہی اللہ

تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الاحزاب: ۶۰-۶۲) کا طریقہ رہا ہے ان لوگوں میں جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تم اس طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

اس تنبیہ و تہدید کے بعد منافقین کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اپنی حرکتوں سے باز آ گئے لیکن یہود کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں جاری رہیں۔ ان کے خلاف اقدام کیا گیا۔ بالآخر وہ ملک بدر ہو گئے۔

مذہبی آزادی

اسلام اس حیثیت سے ہمارے سامنے آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین ہے۔ اب دنیا میں وہی واحد دین حق ہے۔ اس کے علاوہ جتنے مذاہب ہیں گو وہ صداقت سے خالی نہیں ہیں، ان میں سچائی کا عنصر ہو سکتا ہے اور ہے لیکن وہ حق و باطل کا مجموعہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس لیے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے اپنے اس موقف کو دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے لیکن کسی کو اس پر مجبور نہیں کیا ہے۔ بلکہ اسے قبول کرنے یا نہ کرنے کی آزادی عطا کی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ فطری خواہش تھی کہ سب لوگ دین اسلام کو قبول کر لیں لیکن اللہ تعالیٰ نے کہا کہ آپ کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف ہے۔ وہ چاہتا تو خود ہی سب کو بزور و جبر اپنے دین کا پابند بنا دیتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ہے بلکہ انسان کو آزادی دی ہے کہ وہ اس کے دین کو چاہے قبول کرے یا نہ کرے جب اس نے آزادی دی ہے تو کوئی بھی شخص اسے اس کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس ۹۹) اگر تمہارا رب چاہتا تو زمین کے سارے کے سارے لوگ ایمان لے ہی آتے۔ تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ ایمان والے ہو جائیں۔

سورہ انعام میں یہی بات اور پرزور انداز میں کہی گئی ہے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۘ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝

(انعام: ۳۶-۳۵)

اگر تم پر ان کا اعراض کرنا شاق گزرے تو تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر دیا آسمان میں کوئی سیڑھی لگاؤ اور ان کے پاس کوئی نشانی لے آؤ تو ایسا کر دیکھو۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پس تم ہرگز نادانوں میں سے نہ ہو۔ ہماری باتیں وہی مانیں گے جو سنتے ہیں، باقی جو مردہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو (قیامت میں) اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اس کا واضح اعلان ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

(بقرہ: ۲۵۶)

دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت ضلالت اور گمراہی سے الگ واضح ہو چکی ہے۔ پس جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے مضبوط سہارا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس کے ساتھ اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ جب اس نے دین و مذہب کے معاملہ میں جبر نہیں رکھا ہے، تو خود اس کی راہ میں بھی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ جو شخص اسے قبول کرنا چاہے آزادی سے قبول کر سکے، اس کی راہ روکنا اور اس پر بندش لگانا اس کی حریت فکر پر دست درازی ہے۔ ایک شخص دنیا کے کسی بھی نظریۂ حیات کو قبول کرنے کا حق رکھتا ہے تو معقول اور منطقی بات ہے کہ اسے اسلام کے نظریۂ حیات کو اپنانے کا بھی حق دیا جائے۔ لیکن اسلام کے مخالفین اس کے بارے میں یہ رویہ

نہیں اختیار کرتے اور وہ آزادیٔ فکر کے حق کو پامال کرتے اور جبر کے تالے انسانوں پر لگاتے ہیں۔ ایک ہی معاملہ میں دو الگ الگ پیمانے اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اسلام نے کہا کہ یہ جبر اور بندش خدا کے نزدیک سخت ناروا اور مذموم ہے۔ اس کی پکڑ سے وہ قیامت کے روز بچ نہیں سکتے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ	بے شک جن لوگوں نے خود کفر
صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	کی روش اختیار کی اور دوسروں کو اللہ
قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۝	کے راستے سے روکا وہ گمراہی میں بہت
اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا	دور جا پڑے۔ جن لوگوں نے کفر کی راہ
لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ	اختیار کی اور (اہل ایمان پر) ظلم کیا اللہ تو
وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا ۝ اِلَّا	ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا اور انھیں
طَرِیْقَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ	جہنم کے راستہ کے علاوہ اور کوئی راستہ
اَبَدًا ؕ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی	نہیں دکھائے گا۔ اس میں وہ ہمیشہ
اللّٰہِ یَسِیْرًا ۝ (نساء: ۱۶۹-۱۶۷)	رہیں گے۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے آسان ہے۔

قرآن مجید نے پیغمبروں اور خدا پرست انسانوں کی تاریخ پیش کی ہے کہ انھیں اللہ کے دین کے مطابق عمل کرنے اور اسے اللہ کے بندوں کے سامنے پیش کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ انھیں دعوت و تبلیغ کا حق دینے سے انکار کیا گیا اور مخاطبین کو اس کے قبول کرنے سے بہ جبر روکنے کی کوشش کی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دعوت حق ہی کے جرم میں آگ میں ڈالا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کے قتل کا باہم مشورہ ہونے لگا تو اللہ کے ایک بندہ نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ	کیا تم قتل کرو گے ایک ایسے شخص
رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَدْ جَآءَکُمْ	کو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے جب
بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ ؕ وَاِنْ	کہ وہ تمہارے رب کی طرف سے کھلی
یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْہِ کَذِبُہٗ ۚ وَ	نشانیاں لے کر آیا ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے
اِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ	تو اس کا وبال اسی پر ہوگا اور اگر وہ سچا
الَّذِیْ یَعِدُکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ	ہے تو (جس دنیا و آخرت کے) عذاب کی وہ

لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝ (غافر: ۲۸)

دھکی دے رہا ہے اس کا ایک حصہ تم پر آئے گا۔ بے شک اللہ راہ نہیں دکھاتا اس شخص کو جو حد سے گزر جانے والا اور انتہائی جھوٹا ہے۔

حضرت موسیٰؑ ہی کی تاریخ کا واقعہ ہے کہ ان کی دعوت اور ان کے معجزات کے مقابلے کے لیے جادوگر بلائے گئے لیکن جلد ہی جادوگروں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت موسیٰؑ حق پر ہیں، ساحرانہ کرتبوں کے ذریعہ ان کے معجزات کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آئے۔ اس پر فرعون طیش میں آ گیا اور اس کی آتش غضب اس قدر بھڑک اٹھی کہ اس نے ان کے ہاتھ پیر کاٹ دینے اور سولی پر چڑھا دینے کا حکم جاری کر دیا۔ ان اللہ کے بندوں نے سب کچھ صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کیا۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ ع (اعراف: ۱۲۵-۱۲۶)

انھوں نے کہا ہمیں تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے تم محض اس بات پر انتقام لے رہے ہو کہ ہم اپنے رب کی آیات پر، جب وہ ہمارے سامنے آئیں، ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہم پر صبر نازل فرما اور ہم کو تیرے فرماں بردار کی حیثیت میں وفات دے۔

قرآن مجید نے اصحاب اخدود کا ذکر کیا ہے کہ انھیں محض اس جرم میں دہکتی آگ میں پھینک دیا گیا کہ خدائے واحد پر جو زمین و آسمان کا مالک ہے وہ ایمان رکھتے ہیں۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ

مارے گئے خندق (کھودنے) والے جس میں بہت سے ایندھن کی آگ تھی جب کہ وہ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اہل ایمان کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے انھوں نے ان اہل ایمان سے محض اس

الْحَمِيْدِ ○ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ	وجہ سے انتقام لیا کہ وہ اللہ پر ایمان
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ	رکھتے تھے جو غالب اور ستودہ صفات
عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ○	ہے جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی
(بروج : ۹-۸)	ملکیت ہے اور اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

اصحاب کہف جو چند نوجوان تھے انھیں اس کی اجازت نہیں تھی کہ وہ اپنے ایمان کا اظہار کریں، وہ بستی کو چھوڑ کر ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ اللہ تعالی نے انھیں اپنی قدرت سے اس غار میں کئی سو سال تک سلائے رکھا۔ جب وہ اپنی لمبی نیند سے بیدار ہوئے تو کہنے لگے کہ ہم میں سے ایک آدمی احتیاط کے ساتھ بازار جائے اور کھانے کی کوئی چیز لے آئے۔ اس احتیاط کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں:۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ	اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہیں سنگسار
يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ	کرکے چھوڑیں گے یا تمہیں اپنے دین
فِىْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا	میں لوٹالے جائیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو
اِذًا اَبَدًا ○ (کہف : ۲۰)	تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کن نازک حالات سے گزر رہے تھے۔ اور ان کے ساتھ کس قدر سخت رویہ اختیار کیا گیا تھا۔ اسلام اس طرز عمل یا Persi-cution کا مخالف ہے۔

تنقید اور اصلاح کا حق

اللہ تعالی کے رسول دنیا میں حق کی تبلیغ اور معاشرہ کی اصلاح کا فرض انجام دیتے ہیں اور ہر خوف و خطر سے بے نیاز ہو کر انجام دیتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ	وہ اشخاص (پیغمبر) جو اللہ کے
اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ	پیغامات پہونچاتے ہیں اور اس سے
اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى	ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے
بِاللّٰهِ حَسِيْبًا	خوف نہیں کھاتے۔ حساب لینے کے
(احزاب : ۳۹)	لیے اللہ کافی ہے۔

معاشرہ میں جو خرابیاں پائی جائیں ان پر تنقید اور اصلاح کا اسلام نے ہر ایک کو حق دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قل الحق ولو کان مرّا — یعنی حق بات کہو چاہے وہ کسی کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔

مزید یہ کہ:۔

لا تخف فی اللہ لومۃ لائم[1] — اللہ کے (دین کے) معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کرو۔

منکرات پر تنقید اور ان کے ازالہ کی سعی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقاضائے ایمان قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

من رأی منکم منکرا — تم میں سے جو شخص منکر کو دیکھے تو
فلیغیرہ بیدہ فان لم — اسے اپنے ہاتھ (قوت) سے بدل
یستطع فبلسانہ وان لم — دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو
یستطع فبقلبہ وذالک — اپنی زبان سے اسے بدلے اس کی
اضعف الایمان[2] — بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے
برا سمجھے یہ ایمان کا کم زور درجہ ہے۔

حکومت اور ریاست کے اقدامات کی تائید اور حمایت یا اعتراض و تنقید کے معاملہ میں اسلام نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ اس کی حمایت معروفات میں کی جائے گی اگر اس کے ذریعہ شریعت کا نفاذ عمل میں آرہا ہے اور وہ معاصی سے اجتناب کر رہی ہے تو اس کا ساتھ دیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ منکرات کو فروغ دے رہی ہے تو اس کے ساتھ تعاون نہ ہوگا اور اس سے دوری اختیار کی جائے گی حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا طاعۃ فی معصیۃ إنما — معصیت میں اطاعت نہیں ہوگی

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان بحوالہ بیہقی روایت حضرت ابوذرؓ

[2] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الامر بالمعروف بحوالہ بخاری و مسلم

الطاعة فی المعروف [1] — اطاعت تو معروف میں ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما أحب وکرہ مالم یؤمر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة [2]

مرد مسلم کے لیے ضروری ہے کہ اپنے امیر کی بات سنے اور اس کی اطاعت کرے اس معاملہ میں بھی جسے وہ پسند کرتا ہے اور اس معاملہ میں بھی جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔ جب تک کہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ جب معصیت کا حکم دیا جائے تو بات سنی جائے گی اور نہ اطاعت ہوگی۔

نواس بن سمعانؓ کی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق [3]

خالق کی معصیت کے معاملہ میں کسی مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی۔

زندہ رہنے کا حق

ہر انسان کو جو یہاں پیدا ہوتا ہے زندہ رہنے کا حق ہے۔ زندگی اسے خدا کی طرف سے ملی ہے۔ وہی اس کا مالک ہے۔ اسے کوئی سلب کرنے کا مجاز نہیں ہے، حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنی زندگی کو ختم نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے خودکشی حرام ہے۔ اسلام نے اہل ایمان کا ایک نمایاں وصف یہ بیان کیا ہے کہ وہ ناحق کسی کی جان نہیں لیتے۔

وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (فرقان: ۶۸)

کسی نفس کو جس کے قتل کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے وہ قتل نہیں کرتے سوائے اس کے کہ حق کا تقاضا ہو۔

---

[1] مشکوٰۃ / کتاب الامارۃ والقضاء بحوالہ بخاری ومسلم

[2] حوالہ سابق، بحوالہ بخاری مسلم [3] حوالہ سابق بحوالہ شرح السنۃ

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الکبائر: الاشراک باللہ، وعقوق الوالدین، وقتل النفس والیمین الغموس[1]	حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کبائر ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ والدین کی نافرمانی کرنا، کسی نفس کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل نفس جیسے جرم کبیر سے اہلِ ایمان کا دامن پاک ہوتا ہے اور پاک ہونا چاہیے۔

اسلام نے صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ انسان کب زندگی کے حق سے محروم ہوجاتا ہے۔ وہ کون سے جرائم ہیں جن کے ارتکاب کے بعد وہ اپنے حق حیات کا مطالبہ نہیں کرسکتا اور معاشرے کے لیے وہ ناقابل برداشت ہوجاتا ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ (مائدہ: ۳۲)	جو کوئی کسی نفس کو قتل کرے، بغیر اس کے کہ وہ کسی کو قتل کرے یا زمین میں فساد پھیلائے، تو اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا۔ جس نے کسی نفس کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب انسانوں کو زندہ کیا۔

یہ حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا اور یہی اسلامی شریعت میں بھی باقی رکھا گیا ہے کہ اگر آدمی کسی کا ناحق خون بہائے یا مملکت میں فساد پھیلائے اور کشت وخون کا بازار گرم کرے تو اپنی جان کی حرمت ختم کردیتا ہے۔ اس کا وجود صفحۂ زمین پر ناقابل برداشت ہے۔ اسے راستے سے ہٹا کر امن وامان بحال کرنا ریاست کا فرض ہے۔ اسے کسی پہلو سے غلط نہیں کہا جاسکتا۔[2]

---

[1] مشکاۃ المصابیح / کتاب الایمان، باب الکبائر وعلامات النفاق۔ بحوالہ بخاری

[2] حدیث میں آتا ہے کہ تین جرائم ایسے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا قتل ہوگی۔ ایک ارتداد، دوسرا کسی بے گناہ کو قتل کرنا، تیسرا کسی شادی شدہ شخص کا=

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ کسی فرد واحد کا بھی ناحق خون بہانا ایک سنگین جرم ہے یہ ساری نوع انسانی کو خوں ریزی کی راہ پر لگانا ہے اس کے برخلاف کسی مظلوم اور بے گناہ کی جان بچانا پورے عالم کے لیے حیات بخش ہے۔ اس لیے کہ اس سے انسانی جان کی قدر و قیمت کا سبق ملتا ہے۔ آدمؑ کی اولاد میں جس نے پہلی بار اپنے بھائی کا ناحق خون بہایا، اس نے دوسروں کو یہ راہ دکھائی، اسی لیے جب بھی زمین پر خون ناحق بہے گا، اسے بھی اس میں شریک سمجھا جائے گا اور اس کے نامۂ اعمال میں بھی اس کا گناہ لکھا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تقتل نفس ظلما الا کان	کوئی شخص ظلم کے ساتھ قتل کیا جاتا ہے
علی ابن آدم الاول کفل	تو اس پہلے ابن آدم پر بھی اس خون کا
من دمہا لانہ اول من سنّ	ایک حصہ ہوگا جس نے قتل کیا تھا کیونکہ
القتل ؎	اس نے ناجائز قتل کا طریقہ دنیا کو دکھایا تھا۔

قتل ناحق کے سلسلہ میں اسلام نے حسب ذیل ہدایات دی ہیں:-

ا۔ قاتل سے قصاص لیا جائے یعنی کسی نے ناحق قتل کیا ہے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ کسی دوسرے کو اس جرم کے ارتکاب کی ہمت نہ ہوگی۔

وَ لَكُمْ فِى الْقِصَاصِ	تمہارے لیے اے عقل والو قصاص
حَيٰوةٌ يَا اُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ	میں زندگی ہے۔ امید ہے اس طرح
تَتَّقُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۷۹)	تم اس کے ارتکاب سے بچو گے۔

قصاص میں مقتول کے ساتھ قاتل کی بھی جان جاتی ہے۔ بظاہر اس میں مزید ایک فرد کا نقصان ہے لیکن اس میں پوری قوم کی حیات ہے۔ قانون قصاص پر صحیح

ےکا بدکاری میں ملوث ہونا۔ عن عبداللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایحل دم امرئ مسلم یشہد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث النفس بالنفس والثیب الزانی والمارق لدینہ التارک للجماعۃ (مشکوٰۃ، کتاب القصاص بحوالہ بخاری ومسلم)

؎ مشکوٰۃ / کتاب العلم بحوالہ بخاری ومسلم

معنی میں عمل ہو تو اقدام قتل سے پہلے آدمی ہزار بار سوچے گا کہ اس کے بعد اسے بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اس سے قتل ناحق کی راہ مسدود ہوگی اس میں صرف دو افراد ہی کی زندگی نہیں ہے بلکہ پوری نوع انسانی کی حیات ہے۔

۲۔ اگر مقتول کے ورثاء چاہیں تو قصاص کی جگہ دیت لے سکتے ہیں اور انھیں پوری دیت لینے اور اس میں کمی کرنے کا اختیار ہوگا۔ وہ قاتل کو معاف بھی کر سکتے ہیں معافی پسندیدہ عمل ہے۔ اس کی ترغیب دی گئی ہے[1]

۳۔ ان تمام معاملات کا اختیار مقتول کے اہل خاندان کو حاصل ہوگا۔ اسلام نے اسے ریاست کے دائرۂ اختیار سے باہر رکھا ہے۔ ریاست اس میں مقتول کے ورثا کو ان کا حق دلانے میں مدد دے گی اگر وہ قاتل کے ساتھ کوئی غیر شرعی اور غیر انسانی رویہ اختیار کرنا چاہیں یا اس کے ساتھ خاندان کے دوسرے افراد کو انتقام کا نشانہ بنانے کی کوشش کریں یا اور کسی قسم کی ظلم و زیادتی پر آمادہ ہوں تو اس کی انھیں اجازت نہ ہوگی۔ قانوناً انھیں اس سے باز رکھا جائے گا۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ	جس نفس کے قتل کو اللہ نے حرام
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ	ٹھہرایا ہے اسے قتل نہ کرو اور جو کوئی
قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا	ظلم سے قتل کیا جائے تو ہم نے اس
لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي	کے ولی کو حق اور اختیار دیا ہے لیکن
الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝	وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے۔
(بنی اسرائیل: ۳۳)	بے شک اس کی مدد ہوگی۔

انسان کی بنیادی ضروریات

انسانی جان کے احترام کے تصور کے ساتھ اس کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کا تصور وابستہ ہے۔ اسلام ہر انسان کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے لیے سعی و جہد کرے۔ اس کے لیے وہ خدا کی پوری زمین اور اس کے وسائل کو

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (بقرہ: ۱۷۸)

استعمال کرسکتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ	وہی خدا ہے جس نے زمین کو تمہارے
الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ	تابع کر دیا کہ اس کے کناروں پر چلو اس
مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ	کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اسی کی طرف اٹھ
وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۝ (ملک: ۱۵)	کر جانا ہے۔
اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ	اللہ ہی ہے جس نے تمہارے
الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ	لیے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم
فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ	سے کشتیاں اس میں چلیں اور تاکہ تم
فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝	اس کا فضل (رزق) تلاش کرو تاکہ تم
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ	اس کا شکر ادا کرو۔ اس نے تمہارے
وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ	لیے وہ سب چیزیں اپنی طرف سے
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ	مسخر کر دیں جو آسمانوں میں اور جو زمین میں
یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝	ہیں۔ بے شک اس میں سوچنے والوں
(جاثیہ: ۱۲،۱۳)	کے لیے نشانیاں ہیں[1]

ایک جگہ نماز جمعہ کی اہمیت اور اس میں شرکت کو لازمی قرار دینے کے بعد فرمایا۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ	جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں
فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ	پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش
ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا	کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو امید
اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (جمعہ: ۱۰)	ہے تم فلاح پاؤ گے۔

مطلب یہ ہے کہ نماز ختم ہونے کے بعد تمہیں اجازت ہے کہ اللہ کے فضل کی تلاش میں زمین میں پھیل جاؤ۔ پوری زمین تمہارے لیے ہے۔ اس کے وسائل سے فائدہ اٹھانے کا تمہیں حق ہے۔

---

[1] اس سلسلہ کی مزید آیات ملاحظہ ہوں، طٰہٰ: ۵۳،۵۴

اسلام کے نزدیک انسان کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنی سعی وجہد سے پاک اور صاف ستھری غذا حاصل کرے، یہ تقوی اور دین داری کے منافی نہیں ہے۔ البتہ اس سعی وجہد میں حلال وحرام کی پابندی ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا	اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں
مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا	میں سے وہ ساری چیزیں جو حلال
وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ	اور پاکیزہ ہیں اور شیطان کی پیروی نہ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝	کرو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔
إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ	وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم
وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا	دیتا ہے اور اس بات کا کہ تم اللہ کے
عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝	بارے میں جھوٹی باتیں کہو جن کا تمہیں
(البقرہ: ۱۶۸-۱۶۹)	علم نہیں ہے۔

لباس

انسان کی بنیادی ضرورتوں میں لباس بھی شامل ہے۔ انسان کے لیے لباس کی اہمیت کئی پہلوؤں سے ہے۔ یہ اسے جانوروں سے ممتاز کرتا ہے۔ جو جانور جہاں پایا جاتا ہے اس کی جسمانی ساخت وہاں کے لیے مناسب اور موزوں ہوتی ہے۔ اگر موسم سخت ہوتا ہے تو وہ دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔ انسان کا حال اس سے مختلف ہے۔ اس کا جسم موسم کی گرمی اور سختی کو برداشت نہیں کر پاتا، وہ لباس کے ذریعہ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حیوان کے اندر شرم وحیا کا جذبہ نہیں پایا جاتا۔ اس کے برعکس انسان کی فطرت میں شرم وحیا پائی جاتی ہے۔ عریانی اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ وہ جسم کے قابل ستر حصوں کو لازماً چھپانا چاہتا ہے۔ یہ فطری حیا ہی تھی کہ حضرت آدمؑ وحواؑ سے جنت کا لباس چھن گیا تو وہ درخت کے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھانپنے لگے۔

وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ	اور جوڑنے لگے اپنے اوپر
وَرَقِ الْجَنَّةِ (اعراف: ۲۲)	جنت کے پتے۔

اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ لباس انسان کے لیے وجہ زینت اور آرائش بھی ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا	اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس
عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ	اتارا ہے، جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا
وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ۙ ذٰلِکَ	ہے اور زینت کے لباس بھی اتارے
خَیْرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ	لیکن تقویٰ کا لباس بہتر ہے۔ یہ اللہ کی
یَذَّکَّرُوْنَ ۝	قدرت کی نشانیاں ہیں شاید وہ اس
(اعراف: ۲۶)	سے نصیحت حاصل کریں۔

اس طرح اسلام نے لباس اور بہتر لباس کی ضرورت اور اہمیت واضح کی ہے۔ وہ اسے انسان کی بنیادی ضرورت مانتا ہے۔ البتہ اس کی ہدایت یہ ہے کہ آدمی اس ظاہری لباس کی فکر میں لباسِ تقویٰ کو نہ فراموش کر بیٹھے۔

مکان

مکان بھی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ مکان مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْۢ	اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھر
بُیُوْتِکُمْ سَکَنًا وَّجَعَلَ	رہنے بسنے کی جگہ بنائے اور تمہارے لیے
لَکُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ	چوپایوں کی کھالوں سے گھر (خیمے) بنائے
بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَھَا یَوْمَ ظَعْنِکُمْ	کہ تم ان کو ہلکے پاتے ہو اپنے کوچ کے
وَیَوْمَ اِقَامَتِکُمْ ۙ وَمِنْ	دن اور اپنے ٹھہرنے کے دن۔ اس نے
اَصْوَافِھَا وَاَوْبَارِھَا وَاَشْعَارِھَآ	چوپایوں کی اون سے روؤں سے اور
اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ ۝	بالوں سے ایک مدت خاص تک کے
وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ	لیے ساز و سامان اور اسباب حیات
ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ	بنائے۔ اللہ نے تمہارے لیے اپنی بنائی
الْجِبَالِ اَکْنَانًا وَّجَعَلَ لَکُمْ	ہوئی چیزوں میں سائے رکھے اور تمہارے
سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ	لیے پہاڑوں میں روپوش ہونے کے

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ○ (نحل: ۸۱-۸۰)

مقامات رکھے اور اس نے تمہارے لیے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس (زرہیں) بھی بنائے جو جنگ میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ اپنی نعمت تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم اس کے فرمانبردار بنو۔

ان آیات میں تین طرح کے مکانات کا ذکر ہے۔

۱۔ وہ ٹھکانے جو انسان پہاڑوں اور جنگلوں میں بناتا ہے، انسان نے تاریخ کے ابتدائی دور میں ممکن ہے اسے عام طور پر استعمال کیا ہو لیکن اب وہ زیادہ تر انہیں اپنی جنگی ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے۔ وقتی اور ہنگامی طور پر غیر جنگی مقاصد کے لیے بھی ان کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

۲۔ دوسرے مکانات وہ ہیں جو خیموں اور چھول داریوں کی شکل میں بنائے جاتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی منتقل ہو سکتے ہیں۔ جنھیں خانہ بدوش استعمال کرتے ہیں۔ تفریحات یا فوجی ضرورت کے لیے بھی ان کا استعمال ہو سکتا ہے۔

۳۔ مکانات کی تیسری قسم وہ ہے جن کے بارے میں قرآن نے 'سکنا' کا لفظ استعمال کیا ہے جن میں انسان مستقل رہائش اختیار کرتا ہے، جن سے اس کی رہائشی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور جن میں وہ سکون اور راحت محسوس کرتا ہے۔ یہ تمدنی زندگی کا ایک لازمی جزو بھی ہے۔

ان مختلف قسم کے مکانات اور عام پوشاک اور جنگی لباس کے متعلق ان آیات میں ایک بات تو یہ کہی گئی کہ وہ انسان کی ضروریات پوری کرتے ہیں دوسری دوسری بات یہ کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل و احسان قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس مکان ہے تو اللہ کی ایک نعمت اسے حاصل ہے۔ اس پر اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اگر کسی کے پاس مکان نہیں ہے تو اس کے لیے اس کا کوشش کرنا غلط نہ ہوگا بلکہ ایک پسندیدہ عمل قرار پائے گا تاکہ وہ اس معاملہ میں دوسروں کا محتاج نہ رہے۔

مکان ایک ضرورت ہے۔ اسلامی ریاست اپنے کارکنوں کی یہ ضرورت پوری کرے گی بلکہ اس کی کوشش ہوگی کہ ریاست کے سب ہی شہریوں کو اس کی سہولت حاصل ہو۔ اس میں وہ ممکنہ تعاون کرے گی۔ جن کے پاس مکان ہے اس پر ان کا حق ملکیت تسلیم کرے گی اور اس کی حفاظت کرے گی۔

خادم اور سواری

اسلام اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ سواری اور خادم بھی انسان کی ضرورت ہے اور وہ اسے حاصل ہونی چاہیے مستورد بن شداد کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے:

من کان لنا عاملا	جو ہمارا عامل (کارندہ) ہے وہ
فلیکتسب زوجۃ فإن	بے شادی شدہ ہے تو (بیت المال سے
لم یکن لہ خادم فلیکتسب	مدد لے کر) شادی کرلے، اگر اس کے پاس
خادمًا فان لم یکن لہ	خادم نہیں ہے تو خادم حاصل کرلے،
مسکن فلیکتسب مسکنا	اگر اس کا مکان نہیں ہے تو مکان بنالے
وفی روایۃ من اتخذ غیر	ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص ان
ذالک فھو غال[1]	کے علاوہ کچھ اور بیت المال سے حاصل
	کرے گا وہ خائن ہوگا۔

حدیث میں ریاست کے ملازم کو اپنی حقیقی ضروریات پورا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ظاہر ہے یہ اجازت کچھ حدود و قیود کے ساتھ ہوگی اور اس کا تعلق ریاست کی مالی حالت سے بھی ہوگا۔ اگر کسی کی تنخواہ ہی اس کی ضروریات کی تکمیل کے لیے کافی ہے تو وہ ریاست کے خزانے سے مزید فائدہ اٹھانے کا مجاز نہ ہوگا۔

(باقی آئندہ)

---

[1] مشکوٰۃ۔ کتاب الامارۃ والقضاء۔ باب رزق الولاۃ وہدایا ہم بحوالہ ابوداؤد